مطالعات وتعلیقات

از :۔ قاضی اطہر مبارکپوری

دینی محاسبہ :۔ بنوامیہ کا ابتدائی زمانہ اسلامی خیرات وبرکات سے معمور تھا، صحابہ کرام عنہم دنیا میں کثیر تعداد میں موجود تھے۔ پورے عالم اسلام میں دین کی رونق زندہ و تابندہ تھی۔ ہر طرف علوم اسلامیہ اور کتاب وسنت کی اشاعت ہو رہی تھی، افریقہ سے لے کر سندھ تک اسلامی پھریرا لہرا رہا تھا۔ البتہ بنوامیہ کی ملوکیت کی روش سے قسم قسم کے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ حکومت وخلافت کے نام پر جبر وتشدد عام ہو چکا تھا، دین ودیانت کی محفل میں غلط قسم کے لوگ بھی پیدا ہو چکے تھے۔ جبر وقدر کے مسائل اسلام کی صاف اور سادہ تعلیمات میں اپنا رنگ پیدا کر رہے تھے، دنیا داروں کی دینداری میں مصلحت بینی اور ابن الوقتی کا مزاج پیدا ہو رہا تھا۔ غرض کہ اگر ایک طرف دین وایمان پوری طرح بیدار تھا تو دوسری طرف غیر دینی مزاج کا خمیر بھی اٹھ رہا تھا، اور صحابہ کرامؓ جنہوں نے شمع نبوت کی روشنی میں زندگی بسر کی تھی۔ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر اپنا دور یاد فرما رہے تھے۔ اور بعد کے زمانے کے بارے میں اپنی جرأت آمیز اور بے باکانہ رائے ظاہر فرما رہے تھے۔ چنانچہ مشہور تابعی عالم حضرت شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اس دور کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے۔

المنافقون الذین فیکم الیوم شر من المنافقین الذین کانوا فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم

جو منافقین آج تم لوگوں کے سامنے ہیں، وہ ان منافقوں سے بدتر ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔۔۔۔۔۔

قال قلنا وکیف ذاک؟ قال ان اولئک اسروه وهؤلاء اعلنوه [1]

ہم نے کہا کہ یہ کیسے تو حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اس زمانہ کے منافق اپنا نفاق چھپاتے تھے، اور آج کے منافقین اسے ظاہر کرتے ہیں۔

صحابہؓ کا یہ تاثر اپنے ہی زمانہ کے آخری دور کے دین ودیانت سے منحرف لوگوں کے بارے میں ہے، تم سوچ سکتے ہو کہ اگر یہ حضرات ہمارے زمانہ کے گنہگاروں کو دیکھتے تو کیا رائے قائم کرتے؟ اور کیا سوائے قبلہ کے ہماری کسی چیز سے ہمارے مسلمان ہونے کا اندازہ لگا سکتے؟

آج تو یہ واقعہ ہمارے تمہارے سامنے ہے کہ جن بری باتوں کو اب سے چند دن پہلے مجرم اور گنہگار چھپ چھپ کر کرتے تھے۔ اور کرنے کے بعد ڈرتے تھے آج کے لوگ ان بری باتوں کو کھلم کھلا، علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ شرماتے نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور کوئی ٹوکے تو لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آج کے گنہگار گنہگار نہیں ہیں بلکہ باغی ہیں جن کی بغاوت نہایت کھلی ہوئی ہے۔ اور جو دین وایمان، اخلاق وانسانیت، کردار وروحانیت اور اللہ ورسول کا کھل کر مقابلہ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں دینی نقطہ نظر سے جو رائے قائم کی جا سکتی ہے اس کا اندازہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ سے کیا جا سکتا ہے۔

نفاق کی ایک حرکت :۔ حضرت یحییٰ البکاءؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر باش تھا کہ ایک آدمی نے آکر حجاج بن یوسف کے بارے میں بات کرنی شروع کی اور اسے برا بھلا کہا۔ اس پر حضرت ابن عمر نے اس سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اگر حجاج یہاں پر موجود ہوتا تو تم یہ باتیں کرتے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔

کنا نعد هذا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم نفاقاً [2]

ہم لوگ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاق شمار کرتے تھے۔

یعنی یہ بات کہ کسی کے منہ پر کوئی بات نہ کہی جائے اور پیٹھ پیچھے اسکو بیان کیا جائے منافقوں کا کام ہے اور ان لوگوں کی عادت ہے جن کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے، مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے کسی بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو اسکی خیر خواہی کے طور پر اسی سے بیان کرے اور اسکے نہ کرنے کی تلقین کرے، حق بات کا سامنے کہہ دینا بہت بڑا جہاد ہے، اور اسکا بہت زیادہ ثواب ہے، اور حق کو برا نہ ماننے کی تاکید کر کے اسکو سننے اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے جب اسلام نے مسلمانوں میں یہ مزاج پیدا کیا ہے تو پھر اسکی کیا ضرورت ہے کہ کسی چھوٹے بڑے سے ڈر کر اسکی برائی اس کے منہ پر نہ کی جائے اور ادھر ادھر اسکی بدگوئی کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے۔

---

[1] مستخرج اوامام جمیع والترغیب ج ۱ ص ۱ ، [2] " " ص ۱۱۸

صحابہ کرام ایسی عادت کو نفاق میں شمار کرتے تھے۔ اور اس طرح کی بزدلی اور مصلحت بینی کو اسلام کی صاف ستھری اور بے غبار تعلیم کے خلاف تصور کرتے تھے۔

حجاج بن یوسف کتنا بڑا ظالم و جابر تھا، خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس نے تکلیف دی تھی بلکہ بعض روایات کی بنا پر اسی کے نیزہ لگنے سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ اس اختلاف کے باوجود حضرت ابن عمرؓ نے اپنی مجلس میں اس قسم کی بات کو سخت ناپسند کیا۔ حالانکہ ظالم کی بدگوئی اس کے ظلم سے بچنے کے لئے حدِ جواز میں آجاتی ہے، مگر حضرت ابن عمرؓ نے دوست اور دشمن سے بالاتر ہو کر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس بات کو اچھا نہیں سمجھا کہ کسی آدمی کی برائی اس کے سامنے تو زبان کی جا سکے اور ادھر اُدھر غیبت کے طور پر اسے بیان کیا جائے، ہماری موجودہ گنہ گار زندگی کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و بصیرت ہے۔

فاتحہ کے موقع کی ایک رسم:۔ ہمارے یہاں پہلے ایک رسم چلتی تھی اور اب بھی بعض جاہلوں میں جاری ہے کہ وفات کے تیسرے دن جب ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے اور محلہ کے لڑکے بچے اور بڑے قرآن پڑھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور ان کے فارغ ہونے کے بعد ان کو سر پر لگانے کے لئے تیل دیا جاتا ہے، نیز اس دن محلہ اور رشتہ کی عورتیں فاتحہ میں آتی ہیں تو ایک برتن میں خوشبودار تیل رکھ کر اس میں پھول ڈال دیتے ہیں اور عورتیں اس میں سے تھوڑا تھوڑا تیل لے کر رسم کے طور پر لگا لیتی ہیں، اسکو پھول تیل کہتے ہیں۔

ہم نے اس رسم کا پتہ چلانے کے لئے جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ایک عمل سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور اسے بھی اپنے رنگ کی بات بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت زینب بنت ابو سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال کے موقع پر حاضر ہوئی تو حضرت ام حبیبہؓ نے زرد رنگ کی خوشبو منگائی جس میں خلوق وغیرہ خوشبو کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور اس میں سے ایک بچی کو لگایا اور اپنے دونوں رخساروں کو مس کیا پھر فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سوا اسکے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کرے گی۔[1]

گویا فاتحہ کے دن پھول تیل کی جو رسم جاری ہے۔ اسکو یہاں سے بنایا گیا ہے، اور عورتوں میں اس کا رواج گویا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل پر ہوا ہے، حالانکہ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ تین دن سے زیادہ غم کر کے ترک زینت وغیرہ نہیں کرنی چاہیئے، اور سوائے شوہر کے کسی رشتہ دار کے مرنے پر زیادہ غم اور سوگ نہیں منانا چاہیئے، مگر اس اصل پر تو عمل

[1] مسلم شریف۔

نہیں ہوا اور اس ایک علامت پر عمل کیا گیا، بعض گھروں میں سال بھر تک پکوان نہیں پکتا، اور جب تک شب برات ذن کا خود ساختہ عرفہ نہ کر لیا جائے چولہے پر کڑھائی رکھنا جاہلی تصور میں بڑے عیب کی بات ہے کہ ابھی میت کو سال بھر بھی نہیں ہوا، اور گھر میں خوشی کے کھانے بننے لگے، اسی طرح بہت سی رسمیں ہیں جن کو دین سے ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شادی بیاہ اور کفن دفن کے وقت پر مسلمانوں کے یہاں بہت سی دین کے خلاف رسمیں جاری ہیں، جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے اور جن میں اکثر بالکل غیر اسلامی بلکہ اسلامی تعلیمات کے عین ضد اور مشرکانہ فکر و ذہن سے زیادہ قریب ہیں، اور چونکہ اس ملک کے مسلمانوں میں صدہا سال سے یہ رسمیں جاری ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں اصلاح کی کوشش علماء کے لئے مغز ماری ہوتی ہے۔ اور عوام کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں دینداری سے زیادہ نسل پرستی کا جذبہ پایا جاتا ہے اور اس قسم کی جاہلی عصبیت ہمیشہ برے نتائج پیدا کرتی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اصلاح و تبلیغ کا کام بند کر دیا جائے، اور جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیا جائے، ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا بلکہ اصلاح کا کام ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ البتہ اس سلسلہ میں بڑی مشکل یہ پڑتی ہے کہ جاہلوں اور جاہلوں جیسے ملاؤں نے ان بدعات و خرافات کے جواز کے لئے احادیث سے ایک آدھ سند حاصل کرنے کی کوشش کی، اور ایک مثال کو کھینچ تان کر اپنے غلط کام کے لئے وجہ جواز بنایا۔ حالانکہ ایک مثال سے کوئی اصول نہیں بنتا اور نہ ایک بات سے کسی دینی معاملہ میں ایسی سند پکڑی جا سکتی ہے کہ اسکے منکر یا مصلح کو برا بھلا کہا جائے اور اس پر اس شدت سے عمل کیا جائے کہ فرض اور واجب چھوٹ جائیں مگر یہ کام نہ چھوٹے، عام طور سے جو بدعات و خرافات چل رہی ہیں، ان کے لئے جاہلوں نے اسی قسم کی کہیں سے کوئی مثال حاصل کی ہے اور اسے اس مثال پر رکھ کر دین بنانے کی کوشش کی ہے، ایسے خود ساختہ مجتہدوں کی کوشش عوام میں چل پڑتی ہے اور وہ غلط کاری کو دین سمجھتے ہیں، آپ نے اس قسم کے مولویوں کے وعظ میں قصوں، کہانیوں کو دین بنانے کا کھیل دیکھا سنا ہوگا کہ ایک قصہ یا واقعہ بیان کرتے ہیں اور پھر کسی بیدا اپنے غلط عمل کو جانچتے ہیں۔ اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دیکھو فلاں حدیث شریف سے یہ ثابت ہے۔ یا فلاں بزرگ نے اس کو کیا ہے۔ اس طرح کے ایک آدھ واقعات سے دین بنانے کا کام غلط قسم کے واعظ بہت کرتے ہیں اور اس فن سے خوب واقف ہوتے ہیں۔

شیخ سید نصیر الدین برہان پوری رح:۔ اب سے تقریباً دو سو سال پہلے ہندوستان میں بارہویں صدی ہجری میں جو علمائے اسلام اور بزرگان دین موجود تھے اور جن کے انفاس گرم کی برکتوں سے یہ ملک رات دن فیضیاب ہو رہا تھا، ان میں سے ایک عالم و بزرگ حضرت شیخ سید نصیر الدین حسینی برہانپوری متوفی ١١١٩ھ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے تابع بزرگ تھے۔ رزق حلال، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت ان کی زندگی کے امتیازی اوصاف میں سے تھے۔ روزہ، نماز، ذکر و شغل، تہجد، نوافل، تلاوت قرآن اور اتباع سنت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ قرآن کی تلاوت بڑے درد آمیز لہجہ میں کرتے تھے۔ اور اثنائے تلاوت میں اسقدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی تھی۔ آپکے دونوں پاؤں اور بایاں ہاتھ شل تھا، ان اعضاء سے کام نہیں لے سکتے تھے۔ اسکے باوجود

قرآن شریف، اور تصوف و سلوک کی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور کتابت ہی کر کے روزی کماتے، ارباب دنیا سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیتے تھے، کسی نذر و نذرانہ بھی قبول نہیں کرتے تھے، اگر کبھی کسی کا ہدیہ قبول فرماتے تو اس سے بہتر ہدیہ خود دے کر اس کا بہترین بدلہ دے دیتے تھے۔ خافی خان نے منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ آپ امراء و حکام سے بڑی نفرت کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی ملنے آتا تو بڑی بے نیازی سے منہ بگاڑ کر رہتے تھے۔ مگر اس کا ہدیہ قبول نہ فرماتے بلکہ سخت الفاظ میں نصیحتیں کرتے تھے، تاکہ وہ آپ سے خود ہی متنفر ہو جائے۔

برہان پور کے عامل منور خان نے ایک مرتبہ آپ سے ملاقات کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے یہاں آنے میں مجھے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، البتہ اس موقع پر یہ کہنا ہے کہ تمہارے ہاتھی اور تمہاری فوج کے نکلنے سے راستے تنگ ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کو چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور لوگ مجھ سے اسکی شکایت کرتے ہیں، معلوم نہیں لوگوں کا راستہ روکنے میں تمہارا کیا فائدہ ہے:

منور خان نے جواب دیا کہ میں تو اسی لئے آپ کے پاس آتا ہوں کہ آپ مجھ کو اپنی طرف کھینچ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک گناہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسکی سزا میں میرے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ کو شل کر دیا اگر تم بھی اسکے لئے تیار ہو کر آئے ہو تو تم نے اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں ان کے برے انجام کے دیکھنے کا انتظار کرو۔

عنایت اللہ خان بھی آپ کے معتقدوں میں سے تھا۔ اسکے اعتقاد کو دیکھ کر سلطان نے چاہا کہ آپ کے لئے خزانہ سے کچھ وظیفہ مقرر کر دے۔ اور اس ارادہ کے ماتحت خواجہ ادہم کو جو برہان پور کے صدر تھا اشارہ کیا کہ آپ کے حالات کی تحقیق کرے اور سلطان کے سامنے رپورٹ پیش کرے کہ ان کے لئے روزینہ یا ماہوار کیا مقرر کیا جائے؟ خواجہ ادہم اس ارادہ سے حضرت شیخ سید نصیر الدین حسینی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطانی فرمان پڑھ سنایا تو شیخ نے کہا کہ شاید آپ نے میرے یہاں آنے میں غلطی کی ہے، کیونکہ جو چاروں باتیں میرے بارے میں لکھی ہیں۔ وہ مجھ میں نہیں ہیں۔ جہاں تک سید ہونے کا تعلق ہے میں نہ اسکی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب، مگر علم، صلاحیت، اور استحقاق تو میرے اندر ذرا بھی نہیں ہے، شاید یہ کوئی دوسرا میرا ہمنام شخص ہو، یہ باتیں سن کر خواجہ ادہم کو برا معلوم ہوا اور بولا کہ شاید آپ کے پاس توکل کا خزانہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں میری روزی کی کنجی اس ذات کے ہاتھ میں ہے کہ جس آقا کے تم محتاج ہو اس جیسے کروڑوں انسان اسکے محتاج ہیں [1]

اب یہ حقائق افسانہ بن کر رہ گئے ہیں۔ اور آج کے حالات دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس ملک میں ایسے ایسے باکمال اہل اللہ بھی گذرے ہیں؟

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۸۱

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد :- علمائے سوء اور علمائے حق کی باہمی کشمکش عوام کے لئے بعض اوقات بڑی خرابی پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے دینی اعتبار سے بڑا نقصان پہونچ جاتا ہے۔ جب کہ علمائے حق دین و امت کی مصلحت کو ملحوظ نہیں رکھتے، اور حمایت حق میں باطل پرستوں کا سا رویہ اختیار کر لیتے ہیں آج کل تقریباً یہی صورت حال پاکستان میں برپا ہے، معلوم نہیں پاکستان کی بنیاد کون سی ساعت میں پڑی تھی کہ اسے ابتک کسی ایک پہلو پر سکون نہیں مل سکا ہے۔ اور وہ اپنی آفرینش کے روز اوّل سے لیکر آج تک فتنوں، فسادوں، فتنہ پروروں اور فسادبازوں کا اکھاڑا بنا ہوا ہے۔ سیاسی مفسدین، سرکاری مفسدین، مذہبی مفسدین، اور اخلاقی مفسدین نے اسکی کوئی معقول صورت دنیا کے سامنے نہیں آنے دی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ آج کل وہاں مذہبی فتنہ و فساد کی آگ عوام و خواص دونوں کو اپنی لپیٹ میں اچھی طرح لئے ہوئے ہے، اور تکفیر و تضلیل کا بازار خوب گرم ہے، مولویوں کے طبقے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، گالی دینے، کافر بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں۔ اور عوام ان دونوں گروہوں میں بٹ کر باہمی رنجش و عداوت کا شکار بن رہے ہیں۔

ایک طرف بدعت کے قصر پر گولہ باریاں ہو رہی ہیں اور دوسری طرف وہابیت کو جہنم میں پہونچایا جا رہا ہے.... اس طرح نزعات کی شاخ پر بیٹھ کر دونوں طبقہ کے علما ر اصول کی جڑوں کو کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہند و پاکستان کے یہ نا عاقبت اندیش مُلّا اسلام اور امت مسلمہ کے حق میں یہ کیا کر رہے ہیں۔ دنیا کا رخ کدھر ہے اور یہ کدھر کی قیادت کر رہے ہیں؟ عرب ممالک میں عروبت اور عربیت کے نام پر اسلام بیزاری عام ہے اور دیگر مسلم ممالک میں طرح طرح کی جماعتوں کے نام پر اسلام سے ہٹ کر جماعتی گروپ بندی میں اسلام کا دھیان نہیں ہے، اور اس طرح لیڈروں اور مولویوں کی حرکتوں سے اسلام کی روح مضمحل ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ہر طبقہ کو عقل و ہوش کی روشنی دے جس کی برکتوں سے اس میں نگاہِ مرد مومن کی چمک پیدا ہو، اور اصلاح امت کا جذبہ کام کرنے لگے۔

احمقانہ بیمار پرسی :- حضرت عمرو بن علاء رضی اللہ عنہ کی بیماری کے زمانہ میں ایک رات انکا ایک ملنے والا عیادت کیلئے گیا، اور کافی دیر تک بیٹھا رہا، جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت عمرو بن علاءؓ نے اس سے پوچھا کہ تم اتنی دیر تک کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے کہا کہ میں آج کی رات آپ کو ایک قصہ سنانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو بن علاءؓ نے کہا کہ تم صحت مند ہو، میں مریض ہوں، تم کو تندرستی کی وجہ سے جاگنا مشکل نہیں ہے بلکہ آسان ہے اور مجھے بیماری کی وجہ سے دیر تک جاگنا مشکل ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تندرست لوگوں کو شکر کی توفیق دے اور بیماروں کو صبر دے۔

سلمہ کا بیان ہے کہ میں امام نحو و ادب فراء کی عیادت کے لئے گیا تو دیر تک بیٹھا رہا اور قسم قسم کے علمی سوالات کرتا رہا آخر فراء نے گھبرا کر کہا کہ میرے پاس آؤ، جب میں قریب گیا تو یہ شعر سنایا۔

حق العیادة یوم بعد یومین : ولحظة مثل لحظ العین بالعین

یعنی عیادت کا حق دو دن گذرنے کے بعد ایک دن ہے اور مریض کو صرف ایک لمحہ دیکھنا ہے۔

عباسی وزیر فضل بن یحییٰ بیمار پڑا تو اس کی عیادت کے لئے اسمٰعیل بن صبیح جایا کرتا تھا اور جا کر سلام و دعا کر کے فوراً واپس آ جاتا تھا، اور دوسرے لوگ جاتے تو دیر تک اسکے پاس بیٹھے رہتے۔ جب فضل اچھا ہو گیا تو اس نے اپنی رائے یوں دی کہ میری اس بیماری میں اسمٰعیل بن صبیح جیسی میری بیمار پرسی کسی نے نہیں کی۔

جاہلانہ بیمار پرسی:۔ جب حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک پیر بیماری کی وجہ سے کاٹ دیا گیا تو بہت سے لوگ عیادت کے لئے گئے، ان ہی میں ایک حمص کا باشندہ بھی تھا۔ اس نے جا کر کہا کیا آپ کا پیر کاٹ دیا گیا ہے جب انھوں نے کہا ہاں تو اس نے کہا بہت اچھا ہوا، پھر پوچھا کیا آپ کو درد ہو رہا ہے، جب انھوں نے کہا ہاں تو اس نے کہا بہت اچھا ہوا، پرواہ نہ کیجئے اگر آپ اس کا ثواب دیکھ لیں تو تمنا کرنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دونوں پیر، دونوں ہاتھ کاٹ دے، آپ کو اندھا کر دے، اور آپ کی کمر توڑ دے، اس کی ان باتوں سے حضرت عروہ کو جس قدر تکلیف پہونچی، پیر کے کٹنے سے بھی اتنی تکلیف نہیں ہوئی۔

اسی طرح حضرت عروہ کے اس حادثہ میں عیسیٰ بن طلحہ بن عبید عیادت کے لئے گیا اور کہا کہ ہم آپ کو کشتی مارنے والا اور پچھاڑنے والا نہیں شمار کرتے تھے بلکہ آپ کو بخشش اور سخاوت کا مرد گردانتے تھے، اللہ کا شکر ہے کہ اسنے ہم کو آپ کے بہت معمولی سے محروم کیا ہے، اور آپ کا اکثر جسم ہمارے لئے باقی رکھا ہے۔ آنکھ، کان، زبان، عقل، دونوں ہاتھ اور ایک پیر ہمارے لئے محفوظ ہے، یہ تسلّی کی باتیں سن کر حضرت عروہ نے فرمایا اے عیسیٰ! جیسی تسلّی تم نے مجھے دی ہے کسی نے نہیں دی۔

عامیانہ بیمار پرسی:۔ ایک شخص نے ایک مریض کی عیادت کی اور خاندان والوں سے جاتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اجر دے، اور تمہاری میت پر رحم کرے۔ گھر والوں نے کہا کہ ابھی وہ مرا نہیں ہے جو تم یہ باتیں کرتے ہو، اسنے کہا اگر اللہ نے چاہا تو مر جائے گا۔

ایک شخص نے ایک مریض کی عیادت کی، اور جاتے ہوئے گھر والوں سے کہا کہ ابکے بار تم ایسا مت جیسا کہ فلاں کے وقت میں کیا تھا کہ وہ مر گیا اور تم لوگوں نے مجھکو خبر تک نہیں دی۔

ایک بوڑھا شخص ایک مریض کی عیادت کے لئے گیا، اور باہر نکلتے ہوئے گھر والوں سے صبر و تسلّی کی باتیں کیں، انھوں نے کہا کہ ابھی تو مریض زندہ ہے تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو، اسنے کہا کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، وقت بے وقت چلنے پھرنے سے معذور ہوں، مجھے خطرہ ہے کہ اسکے مرنے کے بعد میں تم لوگوں کی تعزیت کے لئے شاید نہ آ سکوں اسلئے ابھی تسلّی و تعزیت کی باتیں کر لیتا ہوں۔

ایک شخص نے ایک مریض کی عیادت کرتے ہوئے پوچھا کیا شکایت ہے؟ مریض نے کہا کہ گلے میں درد ہے، اسنے کہا: اللہ میرے والد کو بھی یہی شکایت تھی جس میں ان کا انتقال ہو گیا، تم کو بھی اگر کوئی وصیت کرنی ہو تو اپنے لڑکوں کو کر دو، اسنے لڑکوں کو بلا کر کہا کہ دیکھو تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اس شخص کو دوبارہ میرے پاس نہ آنے دینا۔[1]

اسلام میں بیمار پرسی مسلمانوں کے باہمی حقوق و واجبات میں سے ایک اہم حق ہے، اور اس کے آداب ہیں۔ مریض کے پاس زیادہ نہیں بیٹھنا چاہیئے، اس سے اچھی اور خوش کن باتیں کرنی چاہئیں۔ بیمار کے پاس جا کر اسکے گھر میں اِدھر اُدھر دیکھنا نہیں چاہیئے۔ موقع محل دیکھ کر بیمار پرسی کے لئے جانا چاہیئے تاکہ مریض کو یا گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو، اسی طرح کی اور باتیں خیال رکھنی چاہئیں۔

فردوس گمشدہ ہسپانیہ:۔ اندلس یعنی ہسپانیہ آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا ملک رہا ہے، اور انھوں نے یورپ کی اس سرزمین کو اسلام کا گلستان بنایا ہے، بلکہ سارے یورپ کو علم و تمدن کی روشنی دی ہے، مگر احسان فراموش یورپ نے نہ صرف مسلمانوں کو قتل و حرق کے ذریعہ نیست و نابود کیا بلکہ ان کے علم و فن پر اپنا دعویٰ کر کے اپنے استاذوں کی پیٹھ میں چھرا مارا ہے۔ اسلامی خصوصیات اور مسلمانوں کے آثار و علائم سے آج بھی اندلس کا پورا ملک بھرا پڑا ہے۔ اور وہاں کے رہن سہن، تعمیر و ترقی، بات چیت غرض کہ پوری زندگی میں مسلم اثرات باقی ہیں اور مغرب کے مقابلہ اسلامی مشرقیت نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم اردو کے مشہور شاعر اور انفارمیشن افسر جناب جگن ناتھ آزاد کے ایک خط کا اقتباس پیش کرتے ہیں، جسے موصوف نے اندلس کے بارے میں اپنے دوست ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے پاس بھیجا اور ان کے اسی قسم کے دیگر خطوط کے ساتھ یہ خط بھی اخبار "الجمعیۃ" دہلی ۴ر نومبر میں شائع ہوا ہے، موصوف لکھتے ہیں،.... ہاں تو آج (۲۰ر اکتوبر) دن بھر ریل اسپین ہی کی پیمائش کرتی رہی۔ اسپین اگرچہ یورپ کا ملک ہے، لیکن مزاجی اعتبار سے یہ یورپ سے خاصہ دور ہے، یہاں کے لوگ عادات اور اطوار میں بڑی حد تک باقی یورپ سے مختلف ہیں۔ ریل کے سفر میں انجان مسافر ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں، جیسے ہندوستان یا پاکستان میں، اٹلی، جرمنی، فرانس، بلجیم یا انگلستان میں تو ایک کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے، یہاں باتیں بھی کرتے ہیں اور کھانا کھائیے، اور سگریٹ بھی پیش کرتے ہیں۔ مجھے سوکھی روٹی کھاتے دیکھ کر اکثر نے کھانا پیش کیا لیکن میں نے معذرت کر لی، اللہ کی شان کا ہر رنگ دیکھنا چاہیئے دس بار، دن یوں بھی سہی۔

رسید مژدہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
چناں نہ ماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

[1] فتح الرحمٰن الرحیم ص۱۶۸ و ۱۶۹ طبع مصر

میں ہسپانوی نہیں جانتا، ورنہ یہ لوگ تو گپ شپ کے بڑے شوقین ہیں۔ ہمارا ڈبہ چھ مسافروں کا ہے، اور ہم اس میں چھ ہی ہیں۔ ان میں تین لڑکیاں ہیں۔ یہ سب ہسپانوی ہیں اور مسلسل باتوں میں معروف ہیں، اور میں تنہا تضیع اوقات میں۔۔۔ یہاں مکانوں کی ساخت بھی یورپی انداز کی نہیں ہے بلکہ ان پر ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے مکانوں کا گمان ہوتا ہے۔ صفائی کا معیار بھی وہ نہیں ہے جو یورپی ممالک کا ہے، لوگ کسی حد تک دوسرے کی باتوں میں دخل بھی دیتے ہیں، لڑکیوں اور عورتوں کا حسن بھی مشرقی انداز کی ایک جھلک لئے ہوئے ہے۔

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

یہ سب وہ باتیں ہیں جو اہل ہسپانیہ کو باقی یورپ سے بڑی حد تک ممتاز کرتی ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے دور حکومت کی یادگاریں قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، اور مرسیہ تو خیر بہت معروف مقامات ہیں بعض غیر معروف جگہیں بھی ہیں، جو اس زمانے کا پتہ دیتی ہیں جب مسجد قرطبہ کے بنانے والے اس دیس میں آباد تھے مثلاً ایک شہر کا نام ہے "مدینہ" اور ایک شہر کا نام ہے "ظفر" اسی طرح ثریا۔ (یا سوریا) نام کا بھی ایک شہر ہے، اکثر شہروں کے نام ال سے شروع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان شہروں کا رشتہ عربی زبان اور اسلامی تمدن سے ضرور ملتا ہوگا۔ مثلاً الکزار، الحکبراس، البالسط وغیرہم، کل کا دن یہیں بسر کروں گا شائد کل ہی طلیطلہ سے بھی ہو آؤں، اس کے بعد قرطبہ چلا جاؤں گا، وہاں سے اشبیلیہ، غرناطہ، اور مرسیہ ہوتا ہوا بارسیلونا پہونچ جاؤں گا ان شاء اللہ۔

اسلامی تمدن کی زندہ تصویریں :-

یہ خط بالکل تازہ ہے، اور اس کی باتیں آج کی ہیں۔ جو مسلمانوں اور اسلام کے ہسپانیہ میں آثار و نشان کا پتہ دیتی ہیں، اللہ اکبر! مسلمانوں کے اخلاق و کردار نے ہسپانیہ کی آب و ہوا کو یوں بدل دیا ہے کہ آج بھی اجنبیوں اور مسافروں میں ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ اور سارے یورپ کے برخلاف یہاں کے لوگوں میں مساوات، ہمدردی، امداد باہمی محبت، رواداری اور خبرگیری کی صفات جیتی جاگتی ہیں۔ رہن سہن، مکانات کی ساخت، شکل و صورت تک مسلمانوں کے تمدن کا پتہ دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہسپانوی زبان میں عربی حروف و کلمات کے علاوہ معرفہ کی علامت "ال" بھی موجود ہے اور الفاظ و اسماء میں اس کا عام استعمال ہے۔

جس قوم کا زندہ تمدن آج یورپ میں یوں جاری ہے کہ ہسپانیہ کو سارے یورپ سے ممتاز کرتا ہے اور مغرب میں آج بھی اسکی حکمرانی ہے۔ وہی اسلامی تمدن آج خود مشرق میں اور مسلم ممالک میں بلکہ عرب ممالک میں بھی فرنگی تمدن متروک ہے۔ اندازہ لگائیے کہ یہ تمدن بے جان ہو چکا ہے یا اسکے موجودہ نام لیوا احساس کمتری کی نذر ہو کر مغربی تمدن کے نیچے دفن ہو دب گئے ہیں۔ اسی اسلامی تمدن کی برکت کا نتیجہ ہے کہ ہندوستانی یا پاکستانی ہسپانیہ جا کر بھی ہر طرح انکس محسوس

کرتا ہے، اور سارے یورپ سے گھوم کر وہاں پہونچتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے دیس میں ہے، مسلمانوں کو اپنا ذہن احساس کمتری کے بارے آزاد کرنا چاہئیے۔

مسلم حکومت یا اسلامی اقتدار :-

دارا شکوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے توحید وجودی کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا، اس نے رسالہ حسنات العارفین میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج میں ایک ایسا مقام آتا ہے جب کہ ایک سالک شریعت، کفر، ایمان، خیر و شر، عبد اور معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور بے خودی میں اسکی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر جذبۂ ایمان کے منافی ہوتے ہیں، لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں۔ اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ خود اسکی زبان سے شطحیات صادر ہوتے ہیں۔ اور اس مقام کے وجد و ذوق میں وہ صوم و صلوٰۃ سے مستغنی ہو گیا۔

دارا شکوہ وسیع المشربی کی وجہ سے ہندوؤں میں خصوصاً شاہجہانی دربار کے راجپوت سرداروں میں بہت مقبول ہو کر ان کا ہیرو بن گیا۔ لیکن علماء جو کتاب و سنت کی جامد تقلید کے قائل تھے ان باتوں کو پسند نہ کر سکے، ان کی اور ان کے ساتھ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کی نظریں اورنگ زیب کی طرف اٹھیں جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ اور شریعت کا پابند ہونے کی امکانی کوشش کرتا تھا۔ وہ مسلمانوں کا ہیرو بن گیا۔

دارا شکوہ اگر موحد بننے پر اکتفا کر لیتا تو اپنی وسیع المشربی اور رواداری کی وجہ سے کبیرداس، راماننج، اور چیتن وغیرہ کی صف میں نمایاں جگہ پا لیتا لیکن اپنے کو موحد اور عارف باللہ ظاہر کرنے کے ساتھ وہ عام تیموری شہزادوں کی طرح درباری سیاست کا بھی کھیل کھیلتا رہا، اور آخر میں آگرہ میں بیٹھ کر حصول تخت و تاج کے لئے دھرمادت کی جنگ کرائی۔ اور جب ناکامی ہوئی تو سموگڈھ کی لڑائی میں فوج کی رہبری خود کی، ان دونوں لڑائیوں میں راجپوت جس پامردی اور شجاعت سے اسکی خاطر لڑے وہ ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے لیکن دیر و حرم کی تفریق مٹانے والا دارا شکوہ مغلوب ہوا۔۔۔۔ اورنگ زیب غالب ہو کر ہندوستان کا شہنشاہ بنا تو دارا شکوہ علماء اور فقہاء کے فتوے کے مطابق نذر شمشیر کر دیا گیا ایک گروہ کا خیال ہے اگر دارا تخت پر بیٹھتا تو مسلمانوں کی سلطنت باقی رہتی لیکن جس گروہ نے اورنگ زیب کو اپنا ہیرو بنا لیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دارا شکوہ کی تخت نشینی سے مسلمانوں کی حکومت تو باقی رہتی لیکن اسلام ختم ہو گیا ہوتا۔ اورنگ زیب کے بعد مسلمانوں کی سلطنت تو ختم ہو گئی لیکن اسلام باقی رہ گیا۔

اس میں آخری بات بہت ہی اہم، بہت قابل غور اور بہت ہی عبرت کے قابل ہے کہ اگر دارا شکوہ حکمراں ہوتا تو اکبر کے دین الٰہی کی طرح اپنا مخصوص نظریہ سرکاری طور پر جاری کر لیتا، نام کی مسلم سلطنت باقی رہتی مگر درحقیقت اسے اسلام سے تعلق نہ ہوتا، مگر عالمگیر نے اسلام کو کتاب و سنت کی پوری روح کے ساتھ جاری کرنے کی کوشش کی اگرچہ بعد میں اسکی سیاست نہ چل سکی۔ مگر آج اسلام کتاب و سنت کے روپ میں اسی کی وجہ سے زندہ ہے۔

اس بات پر آج کل کے مسلم ممالک اور عرب ممالک کے دینی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ موجودہ برسر اقتدار حکمرانوں کے باعث مسلم اقتدار تو باقی ہے مگر دین کا کیا حال ہے؛ بظاہر یہی ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومت ترقی کر رہی ہے مگر اسلام کو اتنا نقصان پہونچ رہا ہے۔

مسلمان ملکوں میں آج کل جو لوگ اقتدار و حکومت کے مالک ہیں، ان کا مزاج و ذہن، قومیت، وطنیت، اور مغرب پرستی کے خیالات سے زیر بار ہے۔ قومی ترقیات، ملکی سدھار، معاشی اصلاح اور طبقاتی مساوات پر بات کے لئے وہ کوشش کر رہے ہیں مگر ان کا مقصد یہ سب یورپ کے مطابق کام کرتا ہے۔ بلکہ یورپ کا مشترک نظریہ وطن پرستی اور قوم پرستی ان کا مطمح نظر ہے۔ عرب ممالک میں عروبت کے نام پر، فرعونیت کے نام، بابل و نینویٰ کی تہذیب کے نام، اور اب شام، بلتیس و سبا کے نام پر تحریکیں چل رہی ہیں۔

دوسرے مسلم ممالک کے سربراہ بھی نئے ذہن و دماغ کی روشنی میں کام کر رہے ہیں، اور اسلامی احکام پر اپنے ذوق کے مطابق رنگ بھر رہے ہیں۔ شادی بیاہ کے قانون میں، وراثت و طلاق کے اصول میں، خانگی اور عائلی معاملات میں حتی کہ براہ راست عبادات میں اپنی مرضی کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ان کی یہ کوششیں جاری رہیں تو مسلمانوں کی حکومتیں رہیں گی مگر اسلام کی بالادستی باقی نہیں رہے گی۔

قدرتِ الٰہی:۔ ۴۰۹ھ میں شہر بصرہ میں نہایت شدید قسم کا طاعون پھوٹ پڑا تھا، تین دن تک زیادہ رہا۔ مگر اسی مدت میں کئی لاکھ کی آبادی کا شہر ویرانہ بن گیا۔ طاعون کے تین دنوں میں ہر دن تقریباً ستر ہزار آدمی مرے، ان ایام میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی نسل سے ستر بچے مر گئے۔ اور بیس ہزار نئے جوڑے اور دولہے دلھنیں مریں۔ اور چوتھے دن شہر بصرہ میں چند بچے کھچے آدمی رہ گئے، جمعہ کے دن جب شہر کا حاکم ابن عامر خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھا تو جامع مسجد میں سوائے سات مرد اور عورت کے کوئی سامنے نہیں تھا، انہوں نے ان حاضرین سے پوچھا

مافعلت الوجوہ یعنی چہرے کیا ہوگئے تو جواب ملا کہ تحت التراب ایھا الامیر

یعنی مٹی کے نیچے چلے گئے اے امیر! [1]

تین دن کے اندر اندر بصرہ جیسے عظیم الشان شہر کا یوں شہر خموشاں ہو جانا کہ جامع مسجد میں بھی ویرانی ہی ویرانی نظر آئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان کا ایک ظہور ہے، کون سوچ سکتا تھا کہ یہ بستی دم کے دم میں اجڑ جائے گی، اور اللہ کے گھر کا رخ کرنے والے بھی باقی نہیں رہیں گے۔

اپنی شان و شوکت پر غرور، مال و دولت پر اطمینان اور زندگی پر اعتماد ہرگز نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اپنی

[1] العبر ۳ ص ۲۰

ہر چیز کو ہر وقت اللہ ہی کے حوالہ سمجھنا چاہیئے۔

حقائق سے گریز:۔ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکفایہ فی علم الروایۃ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں حدیث کے اکثر طالب علم حدیث کی مشہور کتابوں سے ہٹ کر غریب غیر معروف کتابوں کی طرف توجہ زیادہ دیتے ہیں۔ غیر معروف اور منکر احادیث کے پیچھے پڑ کر معروف و مشہور احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح ضعیف و مجروح راویوں کی ان روایتوں کو لیتے ہیں جن میں سہو اور خطا ہے، ان کا یہ ذوق خام اس درجہ آگے بڑھ گیا ہے کہ اکثر کے نزدیک صحیح حدیث نا قابل توجہ ہے اور ثابت حدیث بے کار ہے، اور یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ وہ راویوں کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ان کا علم ناقص ہے اور صحیح و ثابت احادیث سے ان کو کچھ پتہ نہیں ہے اور یہ تمام باتیں ہمارے اسلاف اور ائمہ دین کے طریقہ کے خلاف ہیں [1]

یہ صورت حال پانچویں صدی ہجری کے کچھ علماء میں پیدا ہو گئی تھی، بعینہٖ یہی حال آج کل ایک طبقہ میں نمایاں ہے اور کچھ لوگ دین کی باتوں کو کتاب و سنت کے کھلے کھلے حقائق کے ہوتے ہوئے قصوں، کہانیوں پر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں کسی بزرگ کی ایک کہانی بیان کر کے دین میں بدعت کی دلیل پیش کرتے ہیں، گڑھی گڑھی باتوں کو ایک خاص انداز میں بیان کر کے ان کو اپنے دعوے کے حجت بناتے ہیں۔

تیجا، فاتحہ، گاگر، صندل، اور دوسری بدعات و خرافات کو رواج دینے والے اسی قسم کی حرکت کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے کتابوں سے عبارتیں تلاش کرتے ہیں، بعض جملوں سے استدلال کرتے ہیں۔ تم ایسے کسی مولوی کے وعظ میں چلے جاؤ تو دیکھو گے کہ شروع سے آخر تک اس کی زبان پر قرآن و حدیث حقائق کا ایک حرف نہیں آئیگا اور وہ جھوٹے واقعات، جھوٹی کرامتیں، باطل قصے، باطل کہانیاں، جاہلوں کے سامنے بیان کر کے اپنی لغویت کے لئے دلیل بناتا ہے، اور جاہل عوام اس پر سر دھنتے ہیں۔

حج اور ظاہری صفائی:۔ حج کے اثنائے سفر کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ حاجی اس سفر میں بہت شان و شوکت سے نہ رہے، نہ ہر وقت زیب و زینت کا خیال رکھے کپڑے بدلے، خوشبو لگائے اور بنا سنورا رہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ معمولی حالت میں رہے، شکل و صورت سے عبدیت و بندگی ظاہر ہوتی ہو، لباس و ہیئت سے مسکنت و ذلت ٹپکتی ہو۔ غرض کہ ایسی صورت اور ایسا لباس ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہو کہ یہ حاجی ہے اور اس کا مقصد اس سفر سے فخر و تکبر، نمائش، زیبائش اور آپس میں بڑائی کا اظہار نہیں ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ حاجی بن کر مسلمان گندے لباس میں رہے، شکل و صورت خوفناک بنائے ہو، اور جسم و لباس سے گندگی ظاہر ہو کہ عام دیہاتی حجاج اسی شکل میں آتے جاتے نظر آتے ہیں، یہ بات بہت بری

[1] کفایہ ص ۱۴۱

ہے کہ حاجی کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے ہوں، جسم پر میل کچیل ہو، اور ان سے بدبو آتی ہو، عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ حاجی گھر سے چلتے وقت جو کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں وہی بمبئی کے زمانۂ قیام تک بدن پر رکھتے ہیں، صاف ستھرے کپڑے بکس میں بند رکھتے ہیں کیوں کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ عرب میں کپڑے کی دھلائی مہنگی ہے، اور کپڑا دھونے والے نوکر نہیں ملتے۔ پھر بمبئی میں آکر طرح طرح کی مصروفیات ہوتی ہیں۔ نئی نئی الجھنیں سامنے آتی ہیں اس لئے حجاج میلے کچیلے کپڑے بدن پر باقی رکھتے ہیں۔

یہی حال مکہ کرمہ سے واپسی کے موقع پر ہوتا ہے کہ جہاز میں سوار ہوتے وقت بدن پر کئی دن کے کپڑے ہوتے ہیں، اور حجاج خیال کرتے ہیں کہ جہاز کے اندر کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ اسلئے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ عام طور سے حجاج میلے اور گندے کپڑے میں جہاز سے اترتے ہیں۔ حالانکہ اس سفر میں قلب و روح کی صفائی کی طرح جسم و بدن کی بھی ظاہری صفائی ضروری ہے۔ حاجی گھر کے قریب ہو کر بڑے اہتمام سے کپڑے بدلتے ہیں، بنتے سنورتے ہیں، اور ہار پھول کی خواہش میں عمدہ سے عمدہ کپڑے رکھاتے ہیں۔ تو کیا صرف گھر اور بستی کے لوگ اور جان پہچان والے ہی حاجیوں کو اچھی حالت میں دیکھنے کے حقدار ہیں؟ اور باہر کے لوگ اس کا حق نہیں رکھتے، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو باہر کے لوگوں کے سامنے اچھی حالت میں رہنا زیادہ ضروری ہے۔ جان پہچان والے تو ہر حال میں جس حال میں دیکھیں گے وہی کہیں گے۔ حجاج کی صفائی کا خیال کرکے ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فضول اخراجات کو ذرا کم کرکے دو چار جوڑے کپڑے زائد بنوالیا کریں، جو سفر میں کام آئیں گے اور بعد میں بھی کام آئیں گے۔

اسلام نے یوں بھی صحت و صفائی اور پاکیزگی کا بڑا لحاظ کیا ہے اور مسلمان کو ہر حال میں صاف ستھرا رہنے کی تاکید و تلقین کی ہے۔ گندے کپڑے، میلے بدن، الجھے بال، خراب حلیہ مسلمان کی ظاہری شان و شوکت کے لئے بدنما داغ ہے۔ پھر حج جیسے عظیم الشان فریضہ کی ادائیگی کے بین الاقوامی اجتماع میں تو آتے جاتے اور وہاں موجود رہتے اور بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ تاکہ دوسرے ملک کے لوگوں کے مقابلہ میں یہاں کے حجاج گندے پھوہڑ نہ معلوم ہوں۔

خدا پرستی اور سرکشی :-

سنہ ۴۶۳ھ میں یورپ کے عیسائی بادشاہ ارمانوس فرنگیوں، رومیوں، روسیوں اور کرجیوں کا دو لاکھ کا لشکر لے کر مسلمانوں کے ملک پر حملہ آور ہوا اور مقام مناز جرد پہونچا۔ جب سلطان الپ ارسلان کو اس کے جابر و ظالم بادشاہ کے حملہ کی خبر لگی تو وہ اپنے پایۂ تخت سے دور مقام خوئی میں تھا اور اسکے پاس صرف پندرہ ہزار شہسوار تھے۔ سلطان نے اس فوج سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور کہا کہ اگر میں اس معرکہ میں شہید ہو جاؤں تو میرا بیٹا ملکشاہ میرا ولی عہد ہوگا۔ جب دونوں طرف سے مقابلہ ہوا تو سلطان صلح کی بات چیت کے لئے ایلچی بھیجا، مگر رومی سرکش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ملک رے فتح کرنے کے بعد وہیں پر صلح کی بات چیت ہوگی، یہ جواب سنکر سلطان الپ ارسلان نے مقابلہ کی تیاری کی، اور جمعہ کے دن صف بندی شروع ہوئی جبکہ خطبہ دینے والے منبروں پر جمعہ کا خطبہ دے

رہے تھے۔ سب سے پہلے سلطان گھوڑے سے اترا۔ زمین پر رخسار رکھ کر گڑگڑا کر اور رو رو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کی۔ پھر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اور دلاکر رومی فوج کے بیچ میں پندرہ ہزار گھس گئے اور جم کر مقابلہ کیا۔ اور رومیوں کو میسے چا پانکل گیا۔ اللہ کی مدد آئی، رومی شکست کھا گئے، اور زمین مقتولوں سے پٹ گئی۔ اور شاہ روم ارمانوس گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے لایا گیا۔ سلطان نے اسے اپنے ہاتھ سے تین چھڑی ماری اور کہا کہ کیا میں نے تیرے پاس صلح کا پیغام نہیں بھیجا تھا اور تو نے اسے ٹھکرا دیا تھا؟ رومی سرکش نے کہا آپ مجھے دھمکی نہ دیں بلکہ جو کرنا ہو میرے ساتھ کریں۔ سلطان نے کہا اگر تم مجھے گرفتار کرتے تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟ رومی سرکش نے کہا آپ کا کیا خیال ہے کیا کرتا؟ سلطان نے کہا کیا تو تم مجھے قتل کرتے، یا اپنے ملک میں گلی کوچہ میں پھراتے۔ معاف کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ رومی سرکش نے کہا ہاں یہی کرتا۔

اسکے بعد رومی بادشاہ اپنے فدیہ میں بہت سی دولت اور تمام مسلمان قیدی دے۔ سلطان نے یہ فدیہ قبول کرکے اسے چھوڑ دیا بلکہ خلعت و انعام سے نوازا، اور اس کے ساتھ کئی پادریوں کو بھی رہا کر دیا اور کئی میل تک اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ اور سفر خرچ کے لئے دس ہزار دینار بھی دئے۔ جب رومی بادشاہ جانے لگا تو دریافت کیا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے رہنے کی سمت کیا ہے، جب لوگوں نے بتایا تو اس سمت رخ کرکے سر سے ٹوپی اتاری اور اطاعت کا اظہار کیا۔ ادھر اس کی شکست خوردہ فوج نے مردہ جان واپسی پر میخائیل کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ جب یہ اپنے ملک میں واپس گیا اور یہ تماشا دیکھا تو رہبانیت اختیار کر لی اور رہی سہی دولت جمع کی تو کل تقریباً تین لاکھ دینار نکلے، اسنے اس رقم کو سلطان کے پاس فدیہ بھیج کر قسم کھائی کہ اس سے زیادہ کی اسکو قدرت نہیں ہے، پھر وہ کچھ دنوں کے بعد ارمن پر قابض ہوا۔

دولت کے سہارے :-

اگر پاس میں روپیہ پیسہ ہو تو آدمی لوگوں میں اسکی بدولت کیا نہیں ہو سکتا؟ یہ ایسا حربہ ہے کہ اس سے ہر چیز آسانی سے فتح ہو جاتی ہے، اسی دولت کی بدولت انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ان کو خدا ماننے والے لوگ مل گئے ہیں۔ جھوٹی نبوت و رسالت کا بازار بھی روپیہ پیسے سے خوب چلا ہے اور بزرگی کا دعویٰ بھی اسی کی بدولت کامیاب رہا ہے۔

سنہ ۲۹۹ھ میں ہمدان کے قریب شہر نہاوند میں ایک جادوگر نے نبوت کا دعویٰ کیا اور عوام سے کہا میں اللہ کی طرف سے نبی بن کر آیا ہوں۔ چونکہ وہ جادوگر تھا اس لئے عوام کو طرح طرح کے کرتب بھی دکھائے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کیا کہ اپنے ماننے والوں پر پانی کی طرح دولت بہائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی ایک بھیڑ اسکے چکر میں آ گئی۔ اسکے حالات میں لکھا ہے:-

وکثرت علیھم الاموال، وکان لایدخر شیئاً [1]

اس کے ماننے والوں کے پاس بہت سی دولت ہو گئی، وہ شخص اپنے پاس جمع نہیں کرتا تھا بلکہ تقسیم کر دیا کرتا تھا۔

---

[1] العبر ۲ ص ۱۲۲

روپیہ پیسہ، معاشی خوشحالی، روٹی پیٹ اور عیش و آرام کے نام پر ہمیشہ اپنا الو سیدھا کیا گیا ہے، اور دولت کی تقسیم اور سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی کے خلاف فضا پیدا کر کے ایک فرد یا چند افراد نے عوام کو آلۂ کار بنایا ہے دنیا میں جب کوئی باطل تحریک چلی تو عوام کو اسکی طرف لانے کے لئے روپیہ پیسہ کا دانہ ڈالا گیا۔ آج بھی باطل تحریکیں اسی راہ سے عوام میں جگہ حاصل کر رہی ہیں۔ اور بہت سے لوگ اپنے مقصد کے لئے عوام کو پھنسانے کی ترکیب روزگار، نقدی اور دوسری مادی لالچ سے نکالتے ہیں۔ یہ سب پرانے کھیل ہیں۔ ان سے دور رہنا چاہیئے۔

مصحفِ عثمانی کے دو نسخے :-

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کئی مصاحف لکھے گئے اور ان کو عالم اسلام کے مختلف بلاد و امصار میں بھیجا گیا، تاکہ مختلف نسخوں کا اختلاف ایک معتمد و مستند نسخہ کے حق میں ختم ہو جائے۔ اگر خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے یہ کام نہ کیا کرایا ہوتا تو امت مسلمہ ایک دوسرے کی تکفیر میں سرگرم ہو کر اپنے قرآن کو منزّل من اللہ اور دوسرے کو خود ساختہ قرار دیدیتی۔ مگر وحدتِ اسلامیہ کی اس کامیاب صورت سے امت ایک قرآن پر جمع ہو گئی۔

بات یہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بہت سے قرآن کے نسخے ہو گئے تھے جن میں اختلاف تھے، اور قرآن کی بنیاد پر مسلمانوں میں اختلاف کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ہر گروہ اپنے یہاں کے نسخہ کو صحیح سمجھکر دوسرے نسخہ کو غلط سمجھتا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دمشق سے مدینہ منورہ آئے، اور حضرت عثمانؓ سے صورتِ حال بیان کی کہ مسلمان قرآن کے نسخوں کے اختلاف سے اختلافات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اسکے بعد حضرت عثمانؓ نے اجلۂ صحابہ اور حفاظ و قراءِ قرآن کو جمع کر کے قرآن کا ایک مستند و معتبر نسخہ تیار کرایا اور اسکی متعدد نقلیں کرائیں اور مختلف ممالک میں ان کو روانہ فرمایا۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ یہ مصاحف عثمان کیا ہوئے؟ اور آج دنیا میں ان کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ خود مدینہ منورہ میں شیخ الاسلام عارف حکمۃ اللہ الحسینی کے کتبخانہ میں ایک نسخہ اسکا موجود تھا، جس کے بارے میں شیخ ابراہیم الخربوطلی کا دعویٰ تھا کہ یہ ان کی ملکیت ہے۔ اور انھوں نے اسکو ۱۵۰۰ عثمانی گنی میں خریدا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ شیخ ابراہیم کے ترکہ اور ورثہ میں اس مصحف کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے وہ کتب خانہ شیخ الاسلام کی کتابوں کو فروخت کیا کرتے تھے۔ نیز دنیا میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد کے بعض اور مصاحف بھی موجود ہیں، چنانچہ روس کے ترکستان میں سیدنا عثمان کے عہد کا ایک مصحف موجود ہے، جس کے بارے میں اخبار الاہرام مصر مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۴۹ء میں خبر اور تصویر شایع ہوئی تھی، خبر یہ تھی کہ ترکستان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک مصحف موجود ہے، اور فوٹو اس طرح تھا کہ ایک ترکستانی عالم کے ہاتھ میں یہ نادر مصحف تھا جس کے اوراق کو وہ الٹ رہا تھا۔

اسی طرح قاہرہ کی جامع فسطاط میں حضرت ابوالاسود دُوَلی رضی اللہ عنہ کے قاعدہ کے مطابق ایک مصحف موجود ہے اس میں حروف کی شکل نقطوں کے ساتھ ہے اس میں حرکات نہیں ہیں کیونکہ حرکات کو خلیل بن احمد نے ایجاد کیا تھا۔